رسائل و مسائل

مقام تنعیم سے عمرہ کا حکم

فی زمانہ عوام الناس بکثرت ایسا کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے باہر مقام تنعیم وغیرہ بار بار جاتے اور وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کرتے ہیں۔ بعض اہل علم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایسا کرنا جائز تو ہے لیکن فی الواقع غیر مسنون اور غیر مشروع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں کیا ہے۔ جب یہ فعل غیر مسنون اور غیر مشروع ہے تو عوام الناس محض ایک جائز کام کے لیے زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں۔ غیر مسنون و غیر مشروع ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت اور فضیلت ختم ہو جاتی ہے۔

"مشروع" کا لفظ اصطلاحی طور پر دو جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے بارے میں کوئی حکم دیا ہو اور کوئی قانون نافذ فرمایا ہو' مثلاً شریعت اسلامیہ کا قانون ہے کہ کوئی آفاقی (کسی میقات حج سے باہر رہنے والا) جب موسم حج کے علاوہ کسی مہینے میں مکہ میں داخل ہونا چاہے تو احرام باندھ کر داخل ہو اور عمرہ ادا کرے۔ اس عمرے کو "مشروع" عمرہ کہا جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی جرم ہے۔ اس لفظ کا دوسرا موقع استعمال پہلے موقع سے بہت عام ہے۔ ہر ایسی چیز کو جس کے لیے شریعت میں اذن موجود ہے' "مشروع" کہا جائے گا' یہاں تک کہ مباح اشیا بھی اس میں داخل ہیں' کیوں کہ "مباح" احکام شرع کی مستقل ایک قسم ہے' اور جہاں تک نفل عبادتوں کا تعلق ہے جن کی ترغیب' شریعت میں موجود ہے تو ان کے "مشروع" ہونے میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔ اس طرح تمام مندوبات و مستحبات اور نفل عبادتیں "مشروع" ہیں۔ کسی نفلی عبادت کو مطلقاً غیر مشروع کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح "غیر مسنون" کا لفظ اصل میں کسی خلاف سنت شے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے تو اس کے اس فعل کو غیر مسنون کہا جائے گا لیکن میں نہیں جانتا کہ کسی ایسی چیز کو بھی علما و فقہا نے "غیر مسنون" کہا ہو جو شرعاً مباح ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ پلاؤ کھانا غیر مسنون ہے تو وہ اس لفظ کا صحیح محل پر استعمال نہیں کرے گا۔ اس بات میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ کام نہیں کیا اور اس بات میں کہ یہ کام "غیر مسنون" ہے' فرق کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ایسی عبادت کو جس کی فضیلت بیان کی گئی ہو' "غیر مسنون" کہتا ہے تو اس کا یہ قول غلط ہے۔ میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے عمرے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے لیکن خود کبھی رمضان میں عمرہ ادا نہیں فرمایا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ "رمضان میں عمرہ ادا کرنا جائز تو ہے لیکن فی الواقع غیر

مسنون و غیر مشروع ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں کبھی عمرہ ادا نہیں کیا ہے"، تو ایسے شخص کے بارے میں یہی فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ شرعی اصطلاحات سے ناواقف ہے۔

اس ضروری توضیح کے بعد اب اصل مسئلے کو لیجیے: ۱۔ عمرے کی اہمیت و فضیلت صحیح احادیث سے ثابت ہے یہاں تک کہ احادیث میں اس کے لیے "حج اصغر" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ۲۔ تمام عمر میں ایک بار عمرہ ادا کرنا امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سنت ہے۔ ۳۔ عمرے کی فضیلت میں جو احادیث آئی ہیں وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے عام ہیں۔ اس کے مخاطب اہل مکہ بھی اسی طرح ہیں جس طرح دوسرے مقامات کے باشندے۔ ۴۔ یہ بات بھی بلااختلاف ثابت ہے کہ عمرہ سال کے تمام ایام میں کیا جاتا ہے (صرف یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے)۔

ان مسلمات سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص یا گروہ "حج اصغر" کی فضیلت و اجر حاصل کرنے کے لیے بار بار عمرہ کرے تو اس کے لیے یہ فعل مستحب اور باعث تکثیر اجر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ مذاہب اور فقہاے امت، اکثار اعتمار (بکثرت عمرہ کرنا) کو مستحب کہتے ہیں۔ اس مسئلے میں ائمہ اربعہ میں صرف امام مالکؒ کا اختلاف منقول ہے۔ وہ سال میں ایک سے زیادہ عمرے کو مکروہ کہتے ہیں اور ان کی طرف سے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سال میں ایک سے زیادہ عمرہ کبھی نہیں کیا ہے۔ اہل مکہ تو الگ رہے، ان کے نزدیک تو مثال کے طور پر اگر ایسا ہو کہ ـــــ ہندستان کا کوئی شخص عمرہ ادا کر کے اپنے گھر واپس آئے اور پھر اسی سال جا کر دوبارہ عمرہ کرے تو اس کا یہ فعل مکروہ ہو گا۔ ان کی طرف سے دی ہوئی دلیل کا جواب، جمہور کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کے عدم فعل کو کراہت کی دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضورؐ کبھی کسی فعل کو مستحب سمجھنے کے باوجود اس کو صرف اس لیے ترک فرما دیتے تھے کہ کہیں امت، مشقت میں نہ پڑ جائے۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہا کے علاوہ خود مسلک مالکی کے متعدد ائمہ نے اس مسئلے میں امام مالکؒ سے اختلاف کیا ہے۔ یہ تو نہیں معلوم کہ امام مالکؒ نے کس پس منظر میں یہ بات فرمائی تھی کہ سال میں ایک سے زیادہ عمرہ کرنا مکروہ ہے لیکن ان کی طرف سے جو دلیل دی گئی ہے، وہ انتہائی کمزور ہے۔ یہ دلیل ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں کبھی ایک اسبوع (کعبے کے گرد سات چکر لگانا) سے زیادہ طواف نہیں کیا، اس لیے ایک وقت میں ایک سے زیادہ اسبوع مکروہ ہے اور اسی طرح اس کو پھیلاتے چلے جایئے تو بے شمار نفلی عبادات کی تکثیر مکروہ بن کر رہ جائے گی۔ جب تک خود امام مالکؒ کی صراحت نہ مل جائے کہ انھوں نے ایک سے زیادہ عمرے کو کیوں مکروہ کہا تھا اس وقت تک ان کی طرف اس قول کے انتساب میں بھی تامل ہوتا ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس سے اصولی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بکثرت عمرے کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن بات صرف اصول پر ختم نہیں ہوتی۔ صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی تکثیر عمرہ کا

ثبوت ملتا ہے اور اس خاص جزیئے کی بھی دلیل موجود ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے۔ پہلے صحابہ کے عمل کو دیکھیے۔ امام ابن قیم متوفیؒ ۷۵۱ھ نے "زاد المعاد" میں اور دوسرے محدثین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر مہینے ایک عمرہ ادا فرماتے تھے اور انھوں نے اس کا بھی اظہار فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو اس سے بھی زیادہ عمرے کرنا بہتر ہے۔ حضرت انسؓ کے بارے میں آتا ہے کہ قیام مکہ کے ایام میں جب ان کے سر کے بال بڑھ جاتے تو وہ عمرہ کر لیتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ یوں ہی سر کے بال کم کرانے یا منڈوانے کے بجائے عمرے کا اجر حاصل کر کے سر کے بال کم کراتے یا منڈواتے تھے۔ فتح القدیر، جلد نمبر ۲، ص ۳۰۶ میں سند کے ساتھ ترجمان القرآن، حضرت ابن عباسؓ کا وہ فتویٰ نقل کیا ہے جو انھوں نے اپنے شاگرد حضرت طاؤس کو دیا تھا، انھوں نے فرمایا: "یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق کو چھوڑ کر ان سے پہلے اور ان کے بعد تم جس قدر چاہو، عمرہ کرو"۔

اس کے بعد جس مسئلے پر گفتگو ہو رہی ہے اس کا ثبوت ملاحظہ کیجیے۔ یہ صحیح ہے کہ خود نبی کریمؐ نے عمرہ کرنے کے لیے حدود حرم سے باہر جا کر تنعیم یا کسی اور مقام سے احرام نہیں باندھا اور عمرہ نہیں کیا لیکن آپؐ کے حکم سے حضرت عائشہؓ نے عمرے کا احرام باندھا تھا لیکن مکے میں داخلے سے پہلے ان کو ماہواری کا عذر پیش آ گیا۔ وہ عمرے کے افعال انجام نہیں دے سکیں، پھر حضورؐ کے ساتھ حج سے فارغ ہوئیں۔ دوسری ازواج مطہرات نے چونکہ مستقلاً ایک عمرہ، حج سے الگ کیا تھا، اس لیے انھیں الگ عمرہ نہ کرنے کا رنج تھا۔ جب مکہ سے روانگی کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے رنج کا اظہار حضورؐ سے کیا، تب انھیں حضورؐ نے حکم دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ جا کر مقام تنعیم سے مستقل عمرہ کر لیں۔ یہ واقعہ تمام کتب احادیث میں مروی ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو اپنی صحیح کے متعدد ابواب میں روایت کیا ہے۔ یہاں ابوداؤد کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں: "عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی صاحبزادی حفصہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن سے کہا: اے عبدالرحمٰن اپنی بہن عائشہ کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھا لو اور ان کا عمرہ مقام تنعیم سے کرا لاؤ۔ جب ٹیلے سے نیچے اتریں تو وہاں عائشہ کو احرام باندھ لینا چاہیے اس لیے کہ وہ ایک مقبول عمرہ ہے" (ابوداؤد کتاب المناسک)۔ اس حدیث سے صراحتہ مقام تنعیم سے عمرہ کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اہل مکہ کے لیے مقام تنعیم سے عمرہ کرنا دوسرے مقامات کے مقابلے میں افضل ہے اور یہی وجہ ہے کہ عرصہ دراز سے وہاں ایک مسجد، مسجد عائشہ کے نام سے بنی ہوئی ہے اور صدیوں سے اہل مکہ بلا نکیر وہاں جا کر عمرے کا احرام باندھتے ہیں۔ تنعیم کے علاوہ دوسرا مقام جہاں سے اہل مکہ عمرہ کرتے ہیں، جعرانہ ہے۔ اس لیے کہ یہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود غزوۂ حنین سے واپسی میں عمرہ ادا کیا ہے اور اسی لیے امام شافعیؒ کے نزدیک اہل مکہ کے لیے یہاں سے عمرہ کرنا افضل ہے۔

امام ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں اس مسئلے پر کئی فصلیں لکھی ہیں۔ ابن قیمؒ نے فصل اول میں جو کچھ

لکھا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ آج کل جس طرح بہت سے لوگ مکہ سے باہر جا کر عمرہ کرتے ہیں اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کیا ہے۔ آپ نے جس عمرے کو شرع و قانون کا درجہ دیا ہے وہ یہ ہے کہ "آفاقی" جب مکہ میں داخل ہو تو احرام باندھے بغیر داخل نہ ہو اور ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں داخل ہو رہا ہو تو عمرہ ادا کرے۔ چونکہ انھوں نے زاد المعاد حضورؐ کی سیرت لکھی ہے اس لیے ان کو یہ بات واضح کرنی ہی چاہیے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ چند سطروں میں اس کی وضاحت کر کے انھوں نے پہلی فصل ختم کر دی ہے۔ اس سے ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ بہت سے لوگ جو مکہ سے باہر جا کر عمرہ کرتے ہیں انھیں ایسا نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ فعل "غیر مسنون" اور "غیر مشروع" ہے۔ اگر ان کی عبارت سے کسی نے ایسا سمجھ لیا ہے تو صحیح نہیں سمجھا۔ اس کی دلیل خود زاد المعاد کی وہ فصلیں ہیں جو انھوں نے متصلاً پہلی فصل کے بعد لکھی ہیں۔ ان فصلوں میں ائمہ کے مذاہب، صحابہؓ کے عمل اور حضرت عائشہؓ کے واقعہ پر مفصل بحث موجود ہے۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ امام ابن قیم حنبلی ہیں اس لیے ان کا اس مسئلے میں وہی مسلک ہو گا جو امام احمد بن حنبل کا ہے کیونکہ انھوں نے اس میں اپنے اختلاف کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ اور امام احمدؒ ان ائمہ میں سے ہیں جو تکثیر عمرہ کو مستحب کہتے ہیں۔ مزید اطمینان کے لیے فقہ حنفی کی ایک تصریح یہاں نقل کی جاتی ہے۔ سوال یہ تھا کہ "آفاقی" کے لیے جب وہ مکہ میں مقیم ہو طواف افضل ہے یا نماز، اور اسی طرح ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ اس کے لیے طواف افضل ہے یا عمرہ؟ اس آخری سوال کا جواب علامہ قاضی ابراہیم مکی نے یہ دیا ہے: "اگر کوئی شخص مسلسل اتنی دیر تک طواف کرتا رہے جتنی دیر میں وہ ایک عمرہ ادا کرتا ہے تو طواف افضل ہے ورنہ عمرہ افضل ہے"۔

قاضی ابراہیم کا یہ جواب علامہ ابن عابدین نے "درمختار" کی شرح میں نقل کیا ہے۔ اب فرض کیجیے کہ ایک عمرہ ادا کرنے میں چار گھنٹے وقت صرف ہوتا ہے تو جب تک کوئی شخص چار گھنٹے تک طواف نہ کرتا رہے، ایک عمرے کے برابر اجر حاصل نہیں کر سکتا۔ عمرے کی فضیلت کے کئی دیگر پہلو ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بدنی، اور مالی دونوں عبادتوں کو جمع کر لیتا ہے کیونکہ عام طور پر حجاج سواری پر تنعیم جاتے اور آتے ہیں، اس کے علاوہ حلاق (بال مونڈنے والے) کو بھی کچھ پیسے دیے جاتے ہیں۔ (سید مروج احمد قادری)